Feminist Perspective in the Short Stories of Neelam Ahmad Bashir

نیلم احمد بشیر کے افسانوں میں تانیثی بیانیہ

Dr Sanam Shakir *[1]
Chairperson, Department of Urdu and Iqbaliat, The Islamia University of Bahawalpur, Rahim Yar Khan Campus, Rahim Yar Khan

ڈاکٹر صنم شاکر☆[1]

صدر شعبہ اردو واقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، رحیم یار خان کیمپس، رحیم یار خان

Correspondance: sanam.shakir@iub.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 22-01-2026
Accepted:26-03-2026
Online:31-03-2026

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Neelam Ahmed Bashir's stories are a reflection of the events, experiences and observations created by the social environment and social ups and downs around her. The difficulties, problems and suffering that women, especially, face as a result of social inequalities. Feminism is present in Neelam's stories as an intellectual angle. The way she has presented the individual aspects of a woman's experience and feelings in her stories regarding her feelings and qualities is unique and important in terms of subject matter and expression. Neelam has pointed out the biased attitudes in a male-dominated society from different angles. In the present era, the society that challenges women and the woman who proves her existence, the story of a woman created by a woman, has its own uniqueness and characteristic of feminine sensibility. We find the description of women and their gender issues frequently in her stories. Undoubtedly, she has effectively interpreted feminist thoughts and protests.

KEYWORDS:Feminism,society, exploitation, identity,genderissues, sexual oppression-Threats-

تانیثیت ایک ہمہ جہت تصور ہے۔ دورِ حاضر میں تقریباً ہر شعبہِ حیات تانیثی ڈسکورس کا حصہ بن چکا ہے۔ تانیثیت کا تصور عورتوں کے ذریعہ خود اپنے تشخص کے تلاش ، اپنے وجود کے آزادانہ اظہار اور مرد اساس معاشرے کے تمام تر اقدار و معیار پر سوالیہ نشان لگانے کے ساتھ ساتھ نئے معیار کی تشکیل و تعمیر کی جہتوں کو واہ کرنے سے عبارت ہے۔

اردو ادب میں تانیثی فکر اور عورت کے تجربات کی ادبی تشکیل گزشتہ چند دہائیوں میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ نیلم احمد بشیر ان آوازوں میں ایک منفرد اور توانا تخلیق کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں عورت کوئی مجرد نظریہ یا علامت نہیں بلکہ معاشرتی جبر، ذہنی کشمکش اور داخلی دنیا کا مکمل استعارہ ہے۔ نیلم احمد بشیر کے افسانے ارد گرد کے ماحول سماجی اور معاشرتی نشیب و فراز سے پیدا شدہ واقعات، تجربات اور مشاہدات کے عکاس ہیں۔ معاشرتی ناہمواریوں کے نتیجے میں بالخصوص خواتین کو جن مشکلات، مسائل اور کرب کا سامنا ہے۔ نیلم نے ان کو بہت سی کہانیوں کا موضوع بنایا۔ اُن کے بیشتر افسانے حقیقت نگاری و تانیثی بیانیہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ نیلم کے افسانوں میں تانیثیت فکری زاویے کے طور پر موجود ہے۔انھوں نے عورت کے تجربے اور احساس کے انفرادی پہلوؤں کو اس کے احساسات و کیفیات کے حوالے سے افسانوں میں جس طرح پیش کیا وہ موضوع اور اظہار کے حوالے سے منفرد اور اہم ہے۔ نیلم نے مرد اساس معاشرے میں معتصبانہ رویوں کی مختلف زاویوں سے نشاندہی کی ہے۔

عصر حاضر میں عورت کو چیلنج کرتا سماج اور اپنے وجود کو ثابت کرتی عورت، عورت کے ذریعے خلق کی گئی عورت کی کہانی میں نسائی حیثیت کی اپنی انفرادیت و خصوصیت ہوتی ہے۔ افسانہ نگار کے ہاں عورت اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں اپنی ذات اور تشخص کے اظہار کے حوالے سے مردانہ قدروں کی رکاوٹوں کا قدم قدم پر سامنا کرتی نظر آتی ہے۔ عورت اور اس کے صنفی مسائل کا بیان ہمیں اُن کے افسانوں چارہ گر، بس کا پیالہ، غم ہستی، مروں والا کام، ایک اور دریا، گلابوں والی گلی، کالی دھوپ، لے سانس بھی آہستہ، نئی دستک، آرزو کا صحرا، شریف، ٹرک آرٹریٹ، حوازادی، وجودِ زن، قیمتی، وحشت ہی سہی وغیرہ میں کثرت سے ملتا ہے۔

نیلم احمد بشیر نے عورت کے استحصال، عورت کی آزادی، عورت کے جذبات واحساسات، مشرقی عورت کا کردار، عورت کی بے بسی میں چھپا کرب، نفسیاتی و جنسی استحصال اور سماج میں جاری کشمکش کے اظہار پر قلم اُٹھایا ہے۔ ان کے افسانوں میں عورت کی شناخت کے وہ پہلو بار بار اُبھرتے ہیں جو مردانہ سماج میں نظر انداز کر دیے گئے۔ افسانہ 'میں اور میرا ساتھی' کی عورت اپنے مقام و مرتبے کا تعین زندگی بھر نہیں کر پاتی۔ پہلے پہل باپ کے گھر میں گھٹن اور حبس زدہ ماحول اسے سہمائے رکھتا ہے اس خوف اور دباؤ کی کیفیت میں تب مزید اضافہ ہوا جب چھوٹا بھائی کئی سال بڑی بہن سے مردانہ رعب و دبدبے کے ساتھ باز پرس کرنے لگا۔ بعد ازاں شوہر کی پناہ گاہ میں تحفظ کا احساس اور محبت ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی عورت کی ہستی اور آزادی کے کچلنے کا سامان موجود تھا۔ یوں عورت نے اپنی ازلی سمجھوتے کی فطرت کو اپنایا اور اپنے تشخص

کی نفی کی لیکن اس مردانہ برتری کا احساس تب اپنی انتہا کو پہنچا جب بیٹے کی طرف سے بھی نکتہ چینی کا آغاز ہوا۔ نیلم احمد بشیر بڑے سادہ انداز میں معاشرے کی اس تلخ حقیقت کا اظہار کرتی ہیں کہ ہمارے معاشرے میں لڑکی کو خود اعتماد بنانے کے بجائے اسے بچپن ہی سے مردانہ رشتوں پر انحصار کا درس دیا جاتا ہے۔

نیلم کی کہانیوں میں عورت کے جسمانی، ذہنی، نفسیاتی اور معاشرتی استحصال کی گونج بار بار سنائی دیتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اکثر عورتیں اپنی خواہشات کو دبا کر مرد کے تسلط اور ظلم کو برداشت کرتی رہتی ہیں اور حالات سے سمجھوتہ کر کے زندگی گزارنے کی کوشش کرتی ہیں۔ 'اپنی اپنی مجبوری' اسی نوعیت کا افسانہ ہے۔ افسانے کا نسوانی کردار سلمٰی اپنے شوہر کا ہر ظلم سہتی ہے اپنی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کو خاطر میں نہیں لاتی اور مسلسل شوہر کے تشدد کا شکار ہوتی ہے۔ شوہر کا تشدد محض تشدد نہیں بلکہ طاقت، ملکیت اور ظلم کے گٹھ جوڑ کا علامتی اظہار ہے۔

نیلم نے دورِ حاضر کی تعلیم یافتہ اور باشعور عورت کی زندگی کے مسائل کو افسانہ 'لالی کی بیٹی' میں پیش کیا۔ افسانے کا مرکزی کردار ثمی پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہے مگر شادی کے بعد اس کا شوہر پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور ثمی کے تشخص کو اپنی مردانگی کے زعم میں دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ مصنفہ اس افسانے کے ذریعے فرسودہ روایات کے خلاف آواز بلند کرتی نظر آتی ہے کہ باشعور اور پڑھی لکھی عورت بھی جب صدائے احتجاج بلند کرتی ہے تو مصلحتوں کا دباؤ ڈال کر اسے جبر اور برداشت کی تلقین کی جاتی ہے۔ افسانے میں اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ عورت کو مکمل خود مختاری تب تک نہیں مل سکتی جب تک سماج کی سوچ آزادانہ نہ ہو۔

عورت کے استحصال کی ایک مثال 'مردوں والی بات' کی حمیداں بھی ہے۔ فرسودہ روایات کے حامل معاشرے میں 'حمیداں' ایک نحوست کا استعارہ تھی جس کی سماج میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ زندگی پھر سے جینے، نئے سپنے دیکھنے کا کوئی حق معاشرہ اُسے دینے کو تیار نہیں تھا کیونکہ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی اس کا شوہر وفات پا چکا تھا اور اس نے ایک مردہ بچے کو جنم دیا تھا۔ افسانے میں عورت کے استحصال کو صرف پدرشاہی نظام تک محدود نہیں دکھایا گیا ہے بلکہ اِن کے ہاں عورت کے خلاف عورت کی شراکت کو بھی سماجی و نفسیاتی مسئلے کے طور پر پیش کیا گیا۔ جب گاؤں کا نوجوان شیر احمد حمیداں کی جانب نظرِ التفات ڈالتا ہے اور اپنی ماں سے رشتہ مانگنے کی بات کرتا ہے تو ماں کا ردِ عمل شدید ہوتا ہے۔

"ضرور اس کُٹنی نے کوئی جادو تعویذ کیا ہو گا۔۔۔ غضب خدا کا، ایک کھسم اور ایک بچہ کھا کر چین نہیں ملا ڈائن کو جو اب میرا گھر دیکھ لیا۔ میں ہر گز اس کا رشتہ مانگنے نہیں جاؤں گی۔ اماں نے سینہ پیٹ لیا اور دہائیاں دینے لگی"۔[1]

نیلم احمد بشیر نے کمال فن سے عورت کی بے بسی کو دکھایا ہے۔ یہ زاویہ نیلم کی تانیثی فکر کو مزید حقیقت پسند اور بصیرت افروز بناتا ہے۔' غمِ ہستی' بھی عورت کے استحصال کا عکاس افسانہ ہے۔ ایک خاتون پروفیسر کی کہانی ہے جس کی شادی نہیں ہوئی۔ افسانے میں ہسپتال میں مریضوں کے ساتھ بد سلوکی، عصمت دری کے حقائق منکشف کیے ہیں۔ مصنفہ معاشرے کا بھیانک رُخ سامنے لاتی ہیں کہ مرد اکیلی عورت کو موقع پا کر فائدہ اُٹھانے سے گریز نہیں کرتا، خواہ عورت کسی بھی رنگ وروپ کی مالک ہو۔ عمر کے کسی بھی حصے اور زندگی کی کسی بھی حالت میں ہو۔ آئی سی یو میں مریضہ کومہ کی حالت میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی اور لیب ٹیکنشن جو گھٹن زدہ ماحول کے ردِ عمل میں جنسی درندگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

"مینارِ خاموشی پر رکھی ہوئی لاش کو ایک بڑا سا بھوکا گدھ ٹھونگے مار مار نوچ رہا تھا۔۔۔۔۔ ایک خنزیر کے لیے ایک ہری بھری فصل اُجاڑ دینے کے لیے اتنی مہلت کافی ہوتی ہے"۔[2]

یہ صرف ایک عورت کے جسمانی استحصال کی کہانی نہیں بلکہ ایک سماجی الیے اخلاقی پستی اور ضمیر کی موت کی علامتی کہانی ہے۔'لے سانس بھی آہستہ' ایک اہم افسانہ ہے۔ عورت کے استحصال کی ایک بھیانک اور روح فرسا شکل قرآن سے شادی کی رسم ہے۔ پسماندہ علاقوں میں یہ فرسودہ رسم آج بھی پائی جاتی ہے جس میں نوجوان لڑکیوں کا قرآن سے بیاہ کیا جاتا ہے۔ بالخصوص ایسے جاگیرداروں اور وڈیروں کے ہاں جہاں بیٹی، بہن کے حصے کی جائیداد کسی اور خاندان میں جانے کا ڈر ہو۔ لیکن جنسی جبر کے نتیجے میں عورت کی بغاوت کسی اجنبی کے ساتھ رات گزارنے کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔

اجنبی نے اُسے ہولے سے اپنی طرف کھینچا تو وہ بے اختیار کھینچتی چلی گئی۔۔۔ وہ واپسی کا ہر راستہ بھول گئی مگر اس نے اپنے آپ کو پا لیا"۔[3]

نہایت اچھوتے انداز میں افسانہ انجام کو پہنچا۔ مرد اساس معاشرے کے ضابطے اور عورت کی مردوں کے ہاتھوں لکھی گئی تقدیریں، عورت پر سب سے بڑا ظلم ہے۔ ڈاکٹر سیما صغیر اس حوالے سے لکھتی ہیں:

> عورت کی زندگی میں پیدا ہونے والے ہر المیے کو مرد اساس ذہن عین فطرت قرار دیتا ہے بلکہ اس کی تقدیر کا نوشتہ بتاتا ہے۔ جبکہ سچ یہ ہے کہ عورتوں کے ناگفتہ بہ حالات کی تقدیریں خدا نے کم اور مرد اساس معاشرے کے تضادات نے زیادہ لکھی ہیں۔ معاشرے کے اسی تضاد کے سبب ان عورتوں کو اذیت، ناکامی، توہین اور تضحیک مل رہی ہے"۔(4)

سماجی حقیقت نگار ہونے کی وجہ سے نیلم نے اپنے افسانوں میں جنسی موضوعات پر بے باکی سے لکھا کیونکہ وہ عورتوں کی جنسی ضرورتوں اور اُن سے پیدا ہونے والے مسائل کا بخوبی ادراک رکھتی ہیں۔ اس تناظر میں اُن کا افسانہ 'نئی دستک' اہم ہے۔ افسانے میں نوبیاہتا جوڑے شہلا اور سعید کے کرداروں کے ذریعے مرد عورت کی نفسیات اور جنسی اُلجھنوں کی گرہ کشائی کی گئی ہے۔ افسانے میں ایمائیت اور اشاریت سے بھرپور زبان استعمال کی ہے۔ ازدواجی زندگی میں عورت کی تشنگی یا عدم شراکت کے مسئلے کو ایک عورت ہی مکمل طور پر بیان کر سکتی ہے۔ نیلم نے ایسے موضوع کو اپنے افسانوی کرداروں کے ذریعے پیش کیا جو شاید اب تک تانیثی حوالے سے تشنہ اظہار تھے۔

ڈاکٹر نورین رزاق لکھتی ہیں:

> نیلم احمد بشیر کا شمار جنسی حقیقت نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ وہ عورت کی جذباتی اور جنسی ضرورتوں کو خاص طور پر اپنا موضوع بناتی ہیں۔ اُن کا خصوصی موضوع مرد وزن کی فطرت اور نفسیات کا فرق بیان کرنا ہے"۔(5)

افسانے 'بھوک' کی 'افشاں' محبت کے معاملے میں شوہر کے سرد رویے سے بے زار ہے۔ شوہر کے نزدیک محبت کا اظہار عامیانہ بات ہے جبکہ 'افشاں' محبت کی متلاشی ہے۔ شوہر کا یہ رویہ دیکھ کر وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

> یہ صرف مجھے تبھی کیوں پاس بلاتا ہے جب مجبوری اس کے جسم کو چُور چُور کر دیتی ہے"۔(6)

عورت کی بے بسی کی ایک صورت 'پردہ اُٹھتا ہے' افسانے میں عیاں ہوتی ہے۔ افسانے میں بچوں کے ساتھ جنسی تشدد کے واقعات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گھر کی ملازمہ اپنی چھوٹی بیٹی شریفاں عرف شیری کو مالکن کی اکلوتی بیٹی کے پاس چھوڑ دیتی ہے۔ مالکن اور اس کی بیٹی شیری کو محبت سے پاس رکھتی ہیں لیکن ایک اور چھ سالہ شیری درندگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ درندہ بھی کون ہوتا ہے گھر کا مالک۔ مصنفہ نے یہاں ہمارے سماج کا بھیانک چہرہ بے نقاب کیا کہ کس طرح معصوم بچی کی عصمت دری کی گئی۔ ایسے لٹیروں کی شیطانیت سے بچیاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ 'ایک اور دریا' کی سکینہ بھی سماجی استحصال کا شکار

ہے۔ شوہر کی طرف سے بانجھ پن کے طعنوں سے تنگ آ کر خودکشی کرنا چاہتی ہے لیکن دریا کی موجیں اسے دوسرے کنارے سرحد کے پار لے جاتی ہیں۔ جہاں پولیس والا غلام محمد نامی شخص اسے بہن بنا کر گھر لے جاتا ہے اور اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے۔"

"سکینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔۔۔۔ایک بدصورت تھوتھنی
والا کتا ہانپتا ہوا رال ٹپکا رہا تھا۔۔۔کتے کے مضبوط طاقتور بپھرے ہوئے
وجود کے آگے اس کی ہستی بے معنی ہو گئی"۔(7)

نیلم احمد بشیر کا بے باک قلم سماجی حقائق کو نمایاں کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا۔ وہ یہ سفاک حقیقت بیان کرتی ہیں کہ استحصال کا شکار ہمیشہ عورت ہی بنتی ہے اور استحصال کو انھوں نے مختلف افسانوں میں دکھایا ہے۔

'جسے پیا چاہیے' میں بدصورت شوہر کے کردار کی داخلی خوبصورتی کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے مردوں کے رویوں کی عکاسی کی ہے جو جذبے کے نام پر نہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں بلکہ دوسروں کے جذبات کو بھی اپنی نام نہاد سچائی کے نام پر ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ خانگی زندگی کے استحکام میں ہم آہنگی، اخلاص، وفا اور اعتماد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جن میں کسی ایک کی کمی سے پوری عمارت ریت کی طرح ڈھ جاتی ہے۔

'آرزو کا صحرا' میں مسافر لڑکی نجمہ کے ذریعے ہراساں کیے جانے کی مذمت کی ہے۔ گھر سے حصولِ تعلیم، روزگار کے علاوہ دیگر امور کی خاطر ویگنوں، بسوں، رکشوں میں سفر کرنے والی اور پیدل چلنے والی خواتین کے مسائل اور مشکلات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کہ کس طرح معاشرے میں انھیں بیہودہ مذاق، گندے جملے، اشاروں اور نازیبا حرکات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

"ہر روز وہ صبح کالج جانے کے لیے بس سٹاپ پر ویگن کا انتظار کرتی تو اسے
نت نئے تجربات ہوتے ،عامیانہ گھٹیا ذہنیت رکھنے والے اوباش نوجوان اور
بڑی عمر کے بھوکی نظروں والے شوقین مرد اس کے کپڑوں کے آر پار
دیکھنے کی کوشش کرتے تو اسے وحشت ہونے لگتی"۔(8)

نیلم احمد بشیر نے استحصال کی ایک شکل افسانہ 'اندھیرا' میں بیان کی ہے۔ زلیخاں کمیوں کی جوان بیٹی ہے اور حویلی میں ملکانی کی خدمت گزار تھی۔ ملکانی کی کینسر سے موت کے بعد ملک صاحب اپنے جوان بیاہے بیٹوں کے سامنے زلیخاں سے شادی کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ بیٹے اور بہوئیں ان کے عقد ثانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں مگر باپ کے سامنے شرط رکھتے ہیں۔ نیلم نے یہاں ہی مرد کی منافقت عیاں کی ہے جو اپنے بچوں کی حق تلفی نہ ہونے کی فکر میں عورت کو اس کی مامتا کے حق سے

محروم کر دیتا ہے۔ افسانے میں معاشرے کی سفاکیت کو عیاں کیا ہے کہ کس طرح ایک مجبور و بے کس عورت کا استحصال ہو رہا ہے۔

جنسی ہراسگی کے حوالے سے افسانہ 'گلابوں والی گلی' اہم ہے۔ ہمارے معاشرے کی تقریباً ہر عورت کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی مقام پر جنسی طور پر ہراساں کی جاتی ہے اس قبیح فعل سے خواتین ایک انجانے خوف کا شکار ہمہ وقت رہتی ہیں۔

> یکدم کنارے چلنے والی ذکیہ نے ایک دلدوز چیخ ماری، چیتے کی سی تیزی کے ساتھ پیچھے سے آنے والے ایک سائیکل سوار نے پھرتی کے ساتھ ذکیہ کے سینے پر جھپٹا مارا تھا"۔(9)

اس قسم کے حادثات ایک لڑکی کی نفسیات پر بُری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ خوف ایک عفریت کی طرح عرصہ دراز تک اس کے دل و دماغ میں پنجے گاڑھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ 'شریف' افسانے میں طوائف کی حقیقت کے بیان کے لیے اعلیٰ طبقے کی بیگمات کی تصویر کشی سے موازنے کی صورت حال بڑی مہارت سے پیدا کی ہے۔ ڈاکٹر عصمت جمیل لکھتی ہیں:

> نیلم احمد بشیر 'شریف 'میں اعلیٰ سوسائٹی کی فیشن ایبل ماڈرن عورت کی مصروفیات اور اس کی کلب لائف کا موازنہ اس طرح دھیرے دھیرے کوٹھے کی عورت سے کرتی ہے کہ کوٹھے کی عورت اس عورت سے بلند ہوتی نظر آتی ہے"۔(10)

نیلم نے ان کرداروں کی خارجی زندگی اور داخلی جذبات کی عکاسی میں مہارت کا ثبوت دیا۔ وہ تضاد کی کیفیت کو اُبھار کر کردار کا حقیقی رنگ سامنے لاتی ہیں۔ یہ خوبی ان کے سماجی شعور کی آئینہ دار ہے۔ امریکہ میں زیادہ وقت گزارنے کی وجہ سے نیلم احمد بشیر کو اس سوسائٹی اور کلچر کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے افسانوں میں مغربی سماج کی جنسی بے راہ روی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کی عکاسی 'ٹِرک آرٹریٹ' افسانے میں ملتی ہے۔ میشل ایک سخت گیر باپ کی بیٹی ہے جو مریضانہ ذہنیت کا مالک ہے۔ بیٹی کو باہر نکلنے اور لڑکوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے اور خود اپنی بیٹی کو حاملہ کر دیتا ہے۔ میشل پاکستانی شپ کے نیول آفیسر سلطان سے محبت کرتی ہے۔ لیکن جب سلطان کو معلوم ہوتا ہے کہ میشل ماں بننے والی ہے اور اس کے ہونے والے بچے کا باپ میشل کا باپ ہی ہے تو وہ اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ میشل کا کردار مغربی زندگی کی چکاچوند کے پس پردہ موجود تلخ حقیقتوں اور رشتوں کی پامالی کے المیے سے جنم لینے والا کردار ہے۔ اس افسانے میں ترقی یافتہ معاشرے میں عورت کی کسمپرسی اور مردانہ بالادستی کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

'وجودِزن' افسانہ قدیم مصری روایت کے موضوع پر لکھا گیا جس میں عورت کے ختنے کی رسم نمایاں تھی اور جن عورتوں کے ختنے نہیں ہوتے تھے اُن کی پاکدامنی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عورتوں کی نفسیات سے واقفیت کی بنا پر نیلم نے ان کے جذبات اور رویوں کی حقیقی عکاسی اپنی کہانیوں میں بھرپور انداز میں پیش کی ہے۔

نیلم احمد بشیر کے افسانوں میں جہاں عورت کے مختلف استحصالی پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا وہیں فکر انگیز پہلو نمایاں کیا گیا۔ انھوں نے تانیثی موضوعات پر کھل کر لکھا ہے۔ ان کے تانیثی بیانیہ میں جہاں مظلوم عورت کی چیخ سنائی دیتی ہے وہیں ایک مضبوط، خود مختار اور باوقار عورت کا عکس بھی اُبھرتا ہے۔ 'جو کوئے یار سے نکلے' اور 'پریم دیوانی' اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

نیلم احمد بشیر نے گہرے سماجی مشاہدے کو بنیاد بنا کر نسوانی کرداروں کی نفسی، جنسی، معاشی اور خانگی زندگی کے تجزیے سے جاندار کردار تخلیق کیے ہیں۔ انھوں نے ہر زاویے سے عورت کی مخفی ذات کے گوشے دریافت کیے ہیں۔ عہدِ حاضر کی عورت مسائل سے بھرے جس ماحول میں زندہ ہے وہاں نفرت اور تشدد سے بچنا محال ہے اور عورت کی کمزور سماجی حیثیت اس کے لیے دوہرے عذاب کا باعث بن جاتی ہے۔ نیلم احمد بشیر کے ہاں ہر طبقے اور ہر فکر کی حامل عورت کا کردار نظر آتا ہے۔ استحصال اور جبر کے خلاف آواز اٹھانے والی بھی عورت ہے اور روایتوں کے سلاسل سے عورت کو آزادی کی نوید سنانے والی بھی عورت ہے۔ آج کے عہد کی عورت اپنے ماحول اور دائرہ کار کے اندر رہ کر اس عہد کی نمائندگی کر رہی ہے۔ بلاشبہ نیلم احمد بشیر نے تانیثی فکر و احتجاج کی مؤثر ترجمانی کی ہے۔

حوالہ جات

1۔ نیلم احمد بشیر، جگنوؤں کے قافلے، مشمولہ: نیلاہٹیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2022ء، ص273
2-نیلم احمد بشیر، لے سانس بھی آہستہ، مشمولہ: نیلاہٹیں، ص288
3۔ ایضاً، ص65
4۔ سیما صغیر، ڈاکٹر، تانیثیت اور اردو ادب: روایت مسائل اور امکانات، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، 2018ء، ص18
5۔ نورین رزاق، ڈاکٹر، پاکستانی خواتین افسانہ نگار، لاہور: دستاویز مطبوعات، 2016ء، ص36
6۔ نیلم احمد بشیر، لے سانس بھی آہستہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1999ء، ص156
7۔ نیلم احمد بشیر، ایک تھی ملکہ، مشمولہ: نیلاہٹیں، ص453
8۔ نیلم احمد بشیر، ہ لے سانس بھی آہستہ، ص15
9۔ نیلم احمد بشیر، گلابوں والی گلی، مشمولہ: نیلاہٹیں، ص20
10۔ عصمت جمیل، ڈاکٹر، اردو افسانے میں عورت کا تصور، مقالہ برائے پی ایچ ڈی مخزونہ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، 2001، ص254

References:

1. Neelam Ahmad Bashir, Jugnuon Kay Qaafley, Mishmoola: Nilahaten, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2022, p. 273.
2. Neelam Ahmad Bashir, Lay Saans Bhi Aahista, Mishmoola: Nilahaten, p. 288.
3. Ibid, p. 65.
4. Seema Sagheer, Dr., Tanisiyat Aur Urdu Adab: Riwayat, Masail Aur Imkanat, Aligarh: Educational Book House, 2018, p. 18.
5. Noreen Razzaq, Dr., Pakistani Khwateen Afsana Nigar, Lahore: Dastaweez Matbooat, 2016, p. 36.
6. Neelam Ahmad Bashir, Lay Saans Bhi Aahista, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1999, p. 156.
7. Neelam Ahmad Bashir, Ek Thi Malika, Mishmoola: Nilahaten, p. 453.
8. Neelam Ahmad Bashir, Lay Saans Bhi Aahista, p. 15.

9. Neelam Ahmad Bashir, Gulabon Wali Gali, Mishmoola: Nilahaten, p. 20.
10. Ismat Jameel, Dr., Urdu Afsanay Mein Aurat Ka Tasawwur, Maqala Baraye PhD Makhzoona, Bahauddin Zakariya University, Multan, 2001, p. 254.